مودودی جماعت

کی تخریب کاریاں

از علامہ عبد الحکیم اختر خاں
شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ بانیِ جماعتِ اسلامی کے کارنامے

یوں تو عالیجناب مودودی صاحب نے اپنی بلند قامت ہستی اور بین الاقوامی شہرت کی مالک شخصیت ہونے کے باعث ملّتِ اسلامیہ پر کتنے ہی مخصوص احسانات فرمائے ہیں

---

[1] الافاضات الیومیہ، جلد ہفتم، ص ۸۲ [2] ایضاً: ص ۷۵

جو تاریخ کا ایک پُراسرار اور المناک باب بن چکے ہیں، لیکن یہ احسان اپنی جگہ پر نرالی ہی شان رکھتا ہے کہ جو ملت پہلے ہی متعدد فرقوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے اُس پر ایک تازہ فرقے کا بوجھ اور لاد دیا۔ اللہ اور رسول نے فرقہ بازی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والوں کے بارے میں سخت وعیدیں سُنائی گئی ہیں لیکن بین الاقوامی شخصیت ہونے کے باعث جناب مودودی صاحب نے اُن کی ذرا پروا نہ کی۔ وہابیت کا تیسرا ایڈیشن مرتب کر کے شایع فرمادیا اور جماعتِ اسلامی کے خوشنما نام سے مسلمانوں کی فہرست میں ایک فرقہ اور شامل کر دیا۔ کاش! وہ ایسا وبال اپنے سر نہ لیتے اور اپنا زورِ قلم بکھرے ہُوئے مدعیانِ اسلام کو جوڑنے اور بہک جانے والوں کو راہِ راست پر لانے میں صرف کرتے۔ اگر راہِ راست سے اُنھیں چڑ تھی اور وہابیت پر جان چھڑکنا اور اِسی کی تبلیغ و اشاعت کرنا وہ ضروری خیال کرتے اور باعثِ نجات گردانتے تھے تو غیر مقلدوں یا دیوبندیوں میں شامل رہتے لیکن نیا فرقہ کھڑا کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی سے پہلے پاک و ہند میں وہابیت کا نام ونشان بھی نہیں تھا اور محمد بن عبد الوہاب نجدی سے پہلے رُوئے زمین پر اِس جماعت کا کہیں وجود نظر نہیں آتا تھا۔ اِسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی سے پہلے دیوبندی عقاید و نظریات کی اِس نام سے کوئی جماعت نہ تھی۔ سر سید احمد خاں علی گڑھی سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا کہ نیچریت کون سے درخت کا نام ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی سے پہلے مرزائی فرقہ، خواہ وہ قادیانی ہوں یا لاہوری، ہرگز نہ تھا۔ غلام احمد پرویز سے پہلے خود کو اہلِ قرآن بتانے والا پرویزی ٹولہ دنیا کے طبقے پر ناپید تھا اور مودودی صاحب دی گریٹ سے پہلے کوئی فرقہ جماعتِ اسلامی کے نام سے انسانوں میں متعارف نہیں تھا۔ موخر الذکر دونوں فرقوں کے بانی تاحال بقیدِ حیات ہیں۔ کاش! اللہ تعالیٰ اِن دونوں حضرات کو ہدایت بخشے کہ فرقے بنانے کا جو وبال اپنے سر لیا ہے، اُس سے تائب ہو کر، راہِ ہدایت اختیار کر لیں۔ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ پر عمل کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تھا

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہادیِ کُل اور ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ قیامت تک آنے والوں مدعیانِ اسلام میں سے راہِ ہدایت پر وہی شمار ہوگا جو اُس آقائے کائنات کے دئے ہوئے دین پر ثابت قدم رہے اور اُس میں کسی قسم کی کاٹ چھانٹ نہ کرے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسلام صحابۂ کرام نے سیکھا، اُن سے تابعین نے، اُن سے تبع تابعین نے، غرضیکہ اِسی طرح ہر نئی نسل اپنے بزرگوں سے دین حاصل کرتی اور اُسے اگلی نسل تک پہنچاتی رہی۔ قیامت تک اِسی طرح دین جاری رہے گا۔ اِس حقیقت کی روشنی میں قارئین کرام غور تو فرمائیں کہ جو جماعتیں اور فرقے کل یا پرسوں کی پیداوار ہیں اگر اُن میں سے کسی کی حقانیت کا ڈھول پیٹا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حقانیت اُنھیں بطورِ میراث ملی ہے یا اُن پر نازل ہوئی ہے؟ دونوں میں سے ہر شق محتاجِ ثبوت ہے۔ جن کی جماعتوں کا ماضی میں وجود ہی نہیں اُنھیں کس کی میراث ملتی؟ رہا نزول کا معاملہ تو سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کا منسوخ ہونا اور کسی دُوسرے پر برحق دین کے نازل ہونے کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دریں حالات دینِ مصطفیٰ کے دشمنوں اور ملّتِ اسلامیہ کے بدخواہوں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ سیدالانبیاء سے دین کی میراث پانے والوں کو غلط اور اہلِ باطل قرار دیا، اُن کی بعض کوتاہیوں اور کمزوریوں کو سامنے رکھ کر اصلاح کرنے کے لیے کھڑے ہوگئے، جب بعض بھولے بھالے مسلمان اُن کی اصلاحی سرگرمی سے متاثر ہوکر ہمنوا بنے تو اپنا رنگ یُوں دکھانا شروع کیا کہ مقدس شجرِ اسلام میں بعض خود ساختہ عقاید و نظریات کے پیوند لگا کرنیا اور تازہ بتازہ دین پلیش کرنے لگ گئے۔ علمائے ملّت جب اُن خود ساختہ ایجادات پر گرفت کرتے تو اپنا اصلاحی رنگ سامنے کرکے مسلمانوں کو ورغلاتے کہ دیکھیے یہی لوگ ہیں جو فلاں فلاں غلطیوں اور کوتاہیوں کے مروج ہیں اور اصلاح سے کس درجہ کانپتے اور دشمنی رکھتے ہیں۔ گمراہ گروں کا یہی دوغلہ پن ہے جس کے باعث ہر تخریب کار اور فرقہ ساز اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتا رہا ہے۔ اِس حقیقت کو خود جناب مودودی صاحب نے یُوں بیان کیا ہے؛

"یہ بھی انسان کی عین فطرت ہے کہ وہ برائی کی کھُلی دعوت کو کم ہی قبول کرتا ہے۔ عموماً اُسے جال میں پھانسنے کے لیے ہر داعیِ شر کو خیر خواہ کے بھیس ہی

میں آنا پڑتا ہے۔" ؎۱

مودودی صاحب کا خدا

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ تو ہر عیب و نقص سے پاک ہے لیکن مودودی صاحب کا خدا شاید ایسے امور و صفات کو تکلفات گردانتا ہے کہ اِن سے بچنا چنداں ضروری نہیں سمجھتا۔ چنانچہ عالی جناب مودودی صاحب نے سورۂ بقرہ کے الفاظ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ کا بقلمِ خود ترجمہ یُوں کیا ہے:

"اللہ اُن سے مذاق کر رہا ہے۔" ؎۲

سورۃ التوبہ کی آیت ۹، کا ترجمہ یُوں کیا ہے:

"اللہ اُن مذاق اُڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے۔" ؎۳

ہنسی مذاق عام طور پر جھگڑے فساد کی بنیاد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اچھا ہوتا اگر مودودی صاحب یہ بھی بتا دیتے کہ جب اُن کا پروردگار اکثر اوقات منافقینِ مدینہ سے مذاق کرتا رہتا تھا تو کبھی ہاتھا پائی یا جوتم پیزار تک بھی نوبت پہنچ جاتی تھی یا نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ اگر معمول میں فرق نہ آیا ہو تو عدالتی چارہ جوئی تک نوبت بھی پہنچی ہو۔ بہرحال اچھا ہوتا کہ بین الاقوامی محقق صاحب مذکورہ بالا امور پر بھی روشنی ڈال دیتے۔ جناب مودودی صاحب نے اپنے خدا کی شان، خود اُس کی زبانی یُوں بھی بیان کی ہے:

"کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں۔" ؎۴

"میری چال کا کوئی توڑ نہیں۔" ؎۵

"اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔" ؎۶

"یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی اُنھیں خبر نہ تھی۔" ؎۷

؎۱ مودودی صاحب، مولوی: تفہیم القرآن، جلد دوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۱۶

؎۲ ایضاً: جلد اول، ص ۵۴

؎۳ ایضاً: جلد دوم، ص ۲۱۹

؎۴ ایضاً: جلد دوم، ص ۶۱

؎۵ ایضاً: جلد دوم، ص ۱۰۴

؎۶ ایضاً: جلد دوم، ص ۱۴۱

؎۷ ایضاً: جلد سوم، ص ۵۸۴

لفظ چال ذومعنی ہے۔ اس میں ناقابلِ اعتراض مفہوم بھی موجود ہے اور قابلِ اعتراض اُس سے بدرجہا زیادہ ہے۔ مودودی صاحب جیسی بین الاقوامی شخصیت کو اپنے پروردگار کے بارے میں ایسا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے تھا جو زیادہ تر قابلِ اعتراض معنیٰ ہی میں استعمال ہوتا ہے۔ یقیناً وہ اس بات سے بے خبر نہیں ہیں کہ لفظ رَاعِنَا ہرگز ذو معنی نہیں۔ اس میں کوئی قابلِ اعتراض مفہوم شامل نہیں، لیکن یہودی اپنے بغض وعناد کی آگ میں جلتے ہوئے دلوں کو کسی قدر ٹھنڈک پہنچانے کی خاطر اِس لفظ سے ناجائز فائدہ اُٹھا لیا کرتے تھے یعنی بظاہر یوں معلوم ہوتا کہ وہ رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کہہ رہے ہیں لیکن حقیقت میں رَاعِیْنَا اور رَاعُوْنَا وغیرہ الفاظ ادا کیا کرتے تھے۔ اللہ جل مجدہٗ نے یہود کی شرارت کے پیشِ نظر صحابۂ کرام جیسی قدسی جماعت اور عشقِ مصطفیٰ کی اُن مُنہ بولتی تصویروں کو بھی لفظ رَاعِنَا کے استعمال سے روک دیا۔ پروردگارِ عالَم نے اپنے حبیب اور برگزیدہ ترین بندے کی شان میں وہ لفظ استعمال کرنے سے روک دیا جس میں کوئی قابلِ اعتراض معنی نہیں لیکن معاندین اُس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر توہین وتنقیص کا پہلو پیدا کر دیتے تھے۔ کیا وُہ خدائے ذوالجلال اپنے متعلق ایسا لفظ پسند فرمائے گا، جو زیادہ تر قابلِ اعتراض معنی ہی میں استعمال ہوتا ہے۔ ناراض ہونے کی نسبت غور کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ وقار کا مسئلہ بنا کر اکڑ جانا فضول ہے کیونکہ ایمان جیسی متاعِ عزیز کا حاصل کرنا اور سنبھال کر رکھنا حاصلِ زندگی ہے۔

انبیائے کرام پر تیر اندازی

مودودی صاحب کا قلم جب اپنے پروردگار کو نظر انداز نہیں کر سکتا تو حضرات انبیائے کرام کو اپنی تیر افگنی کا ہدف بنائے بغیر کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب نے سیدنا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو داغدار کرتے ہوئے یُوں اپنا تحقیقی رنگ دکھایا ہے:

"بعض لوگوں نے اُس میں عزم نہ پایا کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم نے اُس میں نافرمانی کا عزم نہ پایا یعنی اُس نے جو کچھ کیا، نافرمانی کے عزم کی بناء پر نہیں کیا، لیکن یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ یہ بات اگر کہنی ہوتی تو لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا

عَلَی الْعِصْیَانِ کہا جاتا نہ کہ محض لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا۔ آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ فقدانِ عزم سے مراد اطاعتِ حکم کا فقدان ہے نہ کہ نافرمانی کے عزم کا فقدان۔" [1]

انبیائے کرام کا معصوم ہونا ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس پر تمام مسلمانوں کا ہمیشہ اتفاق رہا ہے لیکن جن حضرات کو شیطان اپنی نیابت میں اِس مقدس گروہ کے خلاف کھڑا کرتا ہے وہ اپنے ملعون قائد کی طرح علمی ساز و سامان سے لیس ہو کر محسوس یا غیر محسوس طریقے پر حفاظتِ توحید یا زورِ تحقیق کا بہانہ لے کر انبیائے کرام جیسی پاکیزہ ہستیوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ کاش! مودودی صاحب اِتنا غور فرما لیتے کہ وہ اِس آیت میں لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا سے نافرمانی کے عزم کا فقدان اِس مجبوری کے تحت مراد نہیں لے سکے کہ اِس آیت کے الفاظ لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا عَلَی الْعِصْیَانِ نہیں ہیں تو اسی فقدانِ عزم سے اطاعتِ حکم کا فقدان مُراد لینے کیلئے کیا اُنھیں اِس آیت میں عَلَی الطَّاعَۃِ بھی لکھا ہوا نظر آگیا ہے؟ مودودی صاحب! اگر اِس آیت میں علی العصیان نہیں تو علی الطاعۃ بھی نہیں ہے، اِس صورت میں غور طلب یہ امر ہے کہ انبیائے کرام کی عصمت پر یقین رکھنے والا آخر لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا سے نافرمانی کے عزم کا فقدان ہی مراد لے سکتا ہے اور ایک مسلمان کی رُوح بھی اِس بات کے تصوّر تک سے کانپنے لگے گی کہ وہ انبیائے کرام جیسی مقدس ترین ہستیوں میں اطاعتِ حکم کا فقدان بتائے اور ایسی بات کی تشہیر سے تو اُس کا ہر بُن مُو اِبا کرے گا۔ آگے ملاحظہ ہو کہ بین الاقوامی مفکر صاحب نے اپنی تحقیق کے دریا بہاتے ہوئے سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظمت کو کس طرح داغدار کرنے اور مسلمانوں کے دلوں سے عصمتِ انبیاء کے عقیدے کو نکال دینے کی کوشش کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"اِس سلسلے میں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے، وُہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم

---

[1] مودودی صاحب، مولوی: تفہیم القرآن، جلد سوم، طبع سوم ۱۹۶۹ء، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۰

نے تارے کو دیکھ کر کہا، یہ میرا رب ہے، اور جب چاند اور سورج کو دیکھ کر اُنھیں اپنا رب کہا، تو کیا اُس وقت عارضی طور پر ہی سہی، وُہ شرک میں مبتلا نہ ہو گئے تھے؟"
اس کا جواب یہ ہے کہ ایک طالبِ حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہُوئے بیچ کی جن منزلوں پر غور و فکر کے لیے ٹھہرتا ہے، اصل اعتبار اُن منزلوں کا نہیں ہوتا، بلکہ اصل اعتبار اُس سمت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اُس آخری مقام کا ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے۔ بیچ کی منزلیں ہر جویائے حق کے لیے ناگزیر ہیں۔ اِن پر ٹھیرنا بسلسلۂ طلب و جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورتِ فیصلہ۔ اصلاً یہ ٹھیراؤ سوالی و استفہامی ہوا کرتا ہے نہ کہ حکمی۔ طالب جب اِن میں سے کسی منزل پر رُک کر کہتا ہے کہ ایسا ہے۔ اور تحقیق سے اُس کا جواب نفی میں پا کر وُہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اِس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اثنائے راہ میں جہاں جہاں وُہ ٹھیرتا رہا، وہاں وُہ عارضی طور پر کفر یا شرک میں مُبتلا رہا۔" [1]

مودودی صاحب نے کتنے پیچ در پیچ حیلوں بہانوں سے یہ زہریلی دوائی مسلمانوں کے حلق سے، اُن کا خیر خواہ بن کر، اُتارنے کی کوشش کی ہے کہ واقعی ابراہیم علیہ السلام تارے، چاند اور سورج کو اپنا رب کہتے رہے اور واقعی وہ کفر و شرک میں مبتلا ہوتے رہے، عصمت اُن کے نزدیک تک پھٹکنے سے گریز کرتی رہی، فضلِ خداوندی اُن کی دستگیری سے قاصر ہوتا رہا لیکن اُنھیں کفر و شرک میں مبتلا شمار نہ کیجیے کیونکہ یہ وقتی اور عارضی بات تھی۔ وہ تجربہ کرتے ہُوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ جدھر وہ جا رہے ہیں اُس سمت پر اعتبار کیجیے۔ درمیان میں سو کفر یا پانچسو شرک بھی کر لیں تو اُس کا کوئی اعتبار نہ کرنا، درمیانی کفریات و شرکیات کو کفر و شرک شمار نہ کرنا۔ مودودی صاحب کو تیر افگنی میں حیرت انگیز مہارت حاصل ہے کہ ایک ہی تیر میں بے شمار شکار کر لیتے ہیں۔ اِدھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر

---

[1] مودودی صاحب، مولوی: تفہیم القرآن، جلد اوّل، طبع ہفتم ۱۹۶۸ء، مطبوعہ لاہور، ص ۵۵۸، ۵۵۹

پیغمبر اور اللہ جل شانہٗ کے خلیل کی عظمت و عصمت کو اس درجہ داغدار کرنے کی کوشش کی کہ اُنھیں کافر و مشرک تک بنا کر رکھ دیا، دُوسری جانب ہزاروں کافروں، مشرکوں اور گمراہوں بدمذہبوں کو برأت کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ جب اُن پر گرفت کی جائے تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہماری رسیائی منزلیں ہیں اِن کا کیوں اعتبار کرتے ہو، اعتبار ہماری اُس سمت کا کرو جدھر ہمارا مُنہ ہے یا ہماری آخری منزل کا اعتبار کرنا۔ معلوم نہیں مودودی صاحب نے پُورے دین اور اُس کے جُملہ احکامات کو یکسر معطّل اور حرفِ غلط کی طرح بیکار ٹھہرانے کی یہ جسارت کس خوشی میں فرمائی ہے، ستم بالائے ستم تو یہ کہ حبیبِ پروردگار، خلاصۂ کائنات، سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا:

"نبوّت پر سرفراز ہونے سے پہلے کبھی حضور کے ذہن میں یہ تصوّر تک نہ آیا تھا کہ آپ کو کوئی کتاب ملنے والی ہے یا ملنی چاہیے، بلکہ آپ سرے سے کُتبِ آسمانی اور اُن کے مضامین کے متعلق کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ اِسی طرح آپ کو اللہ پر ایمان تو ضرور حاصل تھا، مگر آپ نہ شعوری طور پر اس تفصیل سے واقف تھے کہ انسان کو اللہ کے متعلق کیا کیا باتیں ماننی چاہئیں اور نہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اِس کے ساتھ ملائکہ اور نبوت اور کتب الٰہی اور آخرت کے متعلق بھی بہت سی باتوں کا ماننا ضروری ہے۔ یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جو خود کفّارِ مکّہ سے بھی چھپی ہُوئی نہ تھیں۔ مکّہ معظمہ کا کوئی شخص یہ شہادت نہ دے سکتا تھا کہ اُس نے نبوّت کے اچانک اعلان سے پہلے کبھی حضور کی زبان سے کتابِ الٰہی کا کوئی ذکر سُنا ہو یا آپ سے اِس طرح کی کوئی بات سُنی ہو کہ لوگوں کو فلاں فلاں چیزوں پر ایمان لانا چاہیے۔" [۱]

جہاں تک کفّارِ مکّہ کا ایسی بات کے سُننے سے محروم رہنے کا تعلق ہے تو یہ بات درست ہے لیکن فخرِ دوعالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اعلانِ نبوّت سے پہلے جاہل محض ہونے کا حکم صادر کرنے

---

[۱] مودودی صاحب، مولوی: تفہیم القرآن، جلد چہارم، طبع سوم ۱۹۷۰ء، مطبوعہ لاہور، ص ۵۱۸

سے پہلے کاش! مودودی صاحب کا بیباک قلم ٹوٹ گیا ہوتا۔ کاش! مودودی صاحب اپنے اس سراسر غیر اسلامی عقیدے پر نظرِ ثانی کر کے حیاتِ مستعار کے اِن آخری لمحات میں ایمان جیسی متاعِ عزیز کو حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کر لیں۔ جملہ انبیائے کرام کے بارے میں مودودی صاحب کے قلم نے یُوں اپنا زورِ تحقیق دکھایا ہے؛

"عصمت دراصل انبیاء کے لوازمِ ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصبِ نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی اُن سے منفک ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چُوک اور غلطی ہوتی ہے اِسی طرح انبیاءؑ سے بھی ہو سکتی ہے اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں، خدا نہیں۔" [1]

معلوم نہیں جناب مودودیت مآب کو عصمتِ انبیاء سے کیا چڑ ہے؟ کیا منصبِ نبوّت سے اُنھیں کوئی خاص پرخاش ہے یا خود اس کے طلبگار تھے اور محروم رہنے کے باعث انبیائے کرام کی عصمت سے ٹکرانے اور اُن ہستیوں پر کیچڑ بازی کی مشق فرمانے لگے ہیں؟ حفاظت تسلیم کر کے گویا انبیائے کرام کو منصبِ ولایت پہ تو فائز سمجھ لیا لیکن فوراً ہی موصوف کا بیباک قلم جوشِ شوخی پر آیا تو طرارے بھرتا ہوا سارے انبیائے کرام کو عام گنہگاروں کی صف میں کھڑا کر گیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ چند عبارتیں محض اس لیے پیش کر دی ہیں کہ مودودی صاحب جیسے دین سازوں کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ بنا کر جن حضرات نے اپنے دلوں اور دماغوں پر مسلط کر رکھا ہے وہ شاید غور و فکر کو کچھ کام میں لا سکیں اور یہ سوچنے کی توفیق پا سکیں کہ شریعتِ مطہرہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور صحابۂ کرام کو اُس کی عملی تصویریں بنا کر اللہ کے آخری

---

[1] مودودی صاحب، مولوی: تفہیمات جلد دوم، ص ۴۳

پیغمبر نے تیار کیا تھا، اُن سے تابعین نے، اُن سے تبع تابعین نے، غرضیکہ اسی طرح آج تک دین پہنچا لیکن یہ کیا ستم ہے کہ پچھلوں کا سمجھا ہُوا دین بیکار ہو کر رہ گیا، چودہ سو سالہ دین فہمی حرفِ غلط قرار دے دی گئی اور دین صرف مودودی صاحب کے قلمِ ناحق رقم کی رطب و یابس نگارشات کا نام ہو گیا، کاش! اُن کے معتقد لوگ یہ یقین کر لیں کہ مودودی صاحب ہرگز نبی نہیں ہیں کہ اُن کی تشریح حرفِ آخر قرار پائے۔ تصریحات وہی قابلِ تسلیم ہیں جو سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں یعنی ہمارے آقاؤں سے منقول ہیں، اُن کے خلاف ہر بات محض دھوکا، اصلاح کے نام پر فساد اور مقدس اسلام کی جگہ خانہ ساز اسلام پیش کرنے کی شرمناک سازش ہے۔ (نعوذ باللہ من شرورِ انفسنا)

صحابۂ کرام پر نرالی کرم نوازی

جب مودودی صاحب نے انبیائے کرام تک کو اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا تو صحابۂ کرام کو بھلا کیسے نظر انداز کر سکتے تھے؟ صحابۂ کرام جیسے مقدس گروہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فرما کر معیارِ حق قرار دیا۔ جن کو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ کی سند کے ذریعے معیارِ حق منوانے کی منادی کروائی، انبیائے کرام کے سوا انسانوں کے باقی ہر گروہ سے اس نرالی جماعت کو ممتاز قرار دیا، اُسی کے بارے میں بین الاقوامی مفکر صاحب یوں اپنے تفکرات پیش کرتے ہیں:

"رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بنائے ہُوئے اُسی معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اُس معیار کے لحاظ سے جس درجے میں ہو اُس کو اُسی درجے میں رکھے۔"[1]

اب اِسی مقدس گروہ یعنی حضرات صحابۂ کرام کے بارے میں عالی جناب مودودی صاحب کا

---

[1] مودودی صاحب: دستورِ جماعتِ اسلامی، دفعہ ۶، ص ۲۴

دُوسرا ایٹمی حکم ملاحظہ فرما لیا جائے :

"معیاری مسلمان تو دراصل اُس زمانے میں بھی وہی تھے اور اب بھی وہی ہیں جو قرآن اور حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کے رگ وپے میں قرآن کا علم اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا ہو" [1]

مودودی صاحب کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے دورِ خلافت میں ایک اندیشہ تھا۔ وُہ اپنے متوقع جانشینوں کو اُس کے بارے میں سمجھاتے بھی رہے۔ نتیجہ کیا برآمد ہُوا؟ یہ مودودی صاحب کے لفظوں میں ملاحظہ ہو :

"حضرت عمرؓ کو اپنے آخر زمانے میں اِس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں اُن کے بعد عرب کی قبائلی عصبیّتیں (جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود ابھی بالکل ختم نہیں ہوگئی تھیں) پھر نہ جاگ اٹھیں اور اُن کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے برپا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے امکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہُوئے اُنھوں نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے حضرت عثمانؓ کے متعلق کہا : "اگر میں اِن کو اپنا جانشین مقرر کروں تو وُہ بنی ابن مُعیط (بنی امیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلّط کر دیں گے اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے۔ خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمانؓ یہی کریں گے اور اگر عثمانؓ نے یہ کیا تو وہ لوگ ضرور معصیّتوں کا ارتکاب کریں گے اور عوام شورش برپا کر کے عثمانؓ کو قتل کر دیں گے۔" [2]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد واقعی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی مقرر ہُوئے۔ مبتدعین کے بین الاقوامی محقق صاحب نے حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں عمّال کے سلسلے میں یُوں زہر افشانی کرتے ہُوئے دین ودیانت کا سرِ بازار خون کیا ہے :

---

[1] مودودی صاحب : تفہیمات، ج ۱، ص ۳۱۹

[2] مودودی صاحب : خلافت وملوکیت، طبع پنجم ۱۹۷۰ء، ص ۹۸، ۹۹

”اُن کے بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہُوئے تو رفتہ رفتہ وہ اِس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ اُنھوں نے پَے در پَے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کیے اور اُن کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص کو معزول کر کے اُنھوں نے کُوفے کی گورنری اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی مُعَیط کو مقرر فرمایا اور اُس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز سعید بن عاص کو دیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرے کی گورنری سے معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبد اللہ بن عامرؓ کو اُن کی جگہ مامور کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ بن سعد بن ابی سَرح کو مقرر کیا۔ حضرت معاویہؓ سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانے میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اُردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔ پھر اپنے ماموں زاد بھائی مروان بن الحکم کو اُنھوں نے اپنا سیکرٹری بنا لیا، جس کی وجہ سے سلطنت کے پورے دروبست پر اُس کا اثر و نفوذ قایم ہو گیا۔ اِس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔“ [1]

اِس مزعومہ طرزِ عمل پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ فیصلہ صادر ہوتا ہے:

”فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آ سکتی تھی کہ سابقین اوّلین، جنھوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہُوا تھا، پیچھے ہٹا دیے جائیں اور اُن کی جگہ یہ لوگ اُمت کے سرخیل ہو جائیں۔“ [2]

اب مروان بن الحکم کے باعث خلیفۂ ثالث کی دُوسری جرم فردیوں سُنائی جاتی ہے:

---

[1] مودودی صاحب، خلافت و ملوکیت، طبع پنجم، ۱۹۷۰ء، ص ۱۰۶ تا ۱۰۸

[2] ایضاً، ص ۱۰۹

"مردان کے اِس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اُس کا سیکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہوسکتا تھا۔ لوگ حضرت عثمانؓ کے اعتماد پر یہ تو مان سکتے تھے کہ حضورؐ نے ان کی سفارش قبول کر کے حکم کو واپسی کی اجازت دینے کا وعدہ فرما لیا تھا، اِس لیے اُسے واپس بُلا لینا قابلِ اعتراض نہیں ہے، لیکن یہ مان لینا لوگوں کے لیے سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسی معتوب شخص کا بیٹا اِس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اُسے خلیفہ کا سیکرٹری بنا دیا جائے خصوصاً جبکہ اُس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہوسکتا تھا۔"[1]

مذکورہ دونوں امور کے بارے میں عالی جناب مودودی صاحب کی عدالت سے خلیفہ رسول کے بارے میں یہ فیصلہ سنایا گیا:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے، خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اُس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔"[2]

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خارجیت کا بیباک قلم کس طرح مجرم ٹھہراتا اور اُن کے جرائم کی فہرست مرتب کرتے ہوئے اُنھیں باغی بتاتا، اسلام سے انحراف کرنے والے باور کراتا ہوا یوں زہر افشانی کرتا ہے:

"حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ، جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت

---

[1] مودودی صاحب: خلافت و ملوکیت، ص ۱۱۰، ۱۱۱

[2] ایضاً: ص ۱۱۶

معاویہؓ۔ اِن دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالتِ قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جا سکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اُٹھ کھڑا ہو اور جو طریقہ چاہے اُس کو پورا کرانے کے لیے استعمال کرے۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کے لیے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ لے کر اُٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا، جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے۔ حکومت اگر مجرموں کو پکڑنے اور اُن پر مقدمہ چلانے میں واقعی دانستہ ہی تساہل کر رہی تھی تو بلاشبہ دُوسرے لوگ اُس سے انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے، لیکن کسی حکومت سے انصاف کے مطالبے کا یہ کون سا طریقہ ہے اور شریعت میں کہاں اِس کی نشان دہی کی جا سکتی ہے کہ آپ سرے سے اُس حکومت کو جائز حکومت ہی اُس وقت تک نہ مانیں جب تک وہ آپ کے اِس مطالبے کے مطابق عمل درآمد نہ کر دے۔ حضرت علیؓ اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر اُن سے اِس مطالبے کے آخر معنی کیا تھے کہ وُہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں؟ کیا وُہ کوئی قبائلی سردار تھے جو کسی قانون اختیار کے بغیر جسے چاہیں پکڑ لیں اور سزا دے ڈالیں؟

اِس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریقۂ کار یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اِس کے کہ وُہ مدینے جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا، جہاں اور مجرمین اور مقتول کے ورثاء سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جا سکتی تھی، بصرے کا رُخ کیا اور فوج جمع کر کے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کے بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ شریعتِ الٰہی تو درکنار، دنیا کے کسی آئین و قانون کی رُو سے بھی اِسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جا سکتا۔" [۱]

---

[۱] مودودی صاحب: خلافت و ملوکیت، ص ۱۲۴، ۱۲۵

یہ ہے مجبوبۂ سیّدالمرسلین اور مقتدر صحابۂ کرام کے بارے میں مودودی صاحب کے قلم ناحق رقم کی وہ ستم ظریفی جس پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کرتے بلکہ قارئینِ کرام کے دین و دیانت پر ان کا فیصلہ چھوڑتے ہوئے محض ایسی چند عبارتوں کی نشان دہی کرنا چاہتے ہیں۔ اب سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں موصوف کی تحقیق ملاحظہ ہو:

اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق، یعنی حضرت معاویہؓ کا تھا جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے اٹھے، مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا، گورنری کی طاقت اپنے اس مقصد کے لیے استعمال کی اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ حضرت علیؓ قاتلینِ عثمانؓ پر مقدمہ چلا کر انھیں سزا دیں، بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلینِ عثمانؓ کو ان کے حوالہ کر دیں تاکہ وہ خود انھیں قتل کریں۔ یہ سب کچھ دورِ اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانۂ قبلِ اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔ خونِ عثمانؓ کے مطالبے کا حق اوّل تو حضرت معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا۔ تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر حضرت معاویہؓ اس مطالبہ کے مجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں۔ حضرت عثمانؓ کا رشتہ جو کچھ بھی تھا، معاویہ بن ابی سفیان سے تھا شام کی گورنری اُن کی رشتہ دار نہ تھی۔ اپنی ذاتی حیثیت میں وہ خلیفہ کے پاس مستغیث بن کر جا سکتے تھے اور مجرمین کو گرفتار کرنے اور اُن پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ گورنر کی حیثیت سے انھیں کوئی حق نہ تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقے سے بیعت ہو چکی تھی، جس کی خلافت کو اُن کے زیرِ انتظام صوبے کے سوا باقی پوری مملکت تسلیم کر چکی تھی، اُس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اپنے زیرِ انتظام علاقے کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے اور ٹھیٹھ جاہلیتِ قدیمہ کے طریقے پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالہ کر دیا جائے

تاکہ وہ خود اُن سے بدلہ لے۔" ؎۱

مودودی صاحب کا قلب صحابۂ کرام کی دشمنی سے اتنا لبریز ہے کہ اُنھوں نے روافض کی تخصیص بھی ختم کر دی۔ برگزیدہ صحابی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اُنھوں نے تاریخ کے جھوٹے اور بے سروپا واقعات کا سہارا لے کر وہ جھوٹے الزامات عاید کیے ہیں جن کی کوئی صاحبِ عقل و دانش مسلمان ہرگز ہرگز جسارت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ سبائی رافضی ٹولے کو تقویت پہنچانے کی غرض سے اُنھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام بھی عائد کیا ہے:

"ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور اُن کے حکم سے اُن کے تمام گورنر، خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتّٰی کہ مسجد نبوی میں منبرِ رسولؐ پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور اُن کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سُنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اُس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اِس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے آ کر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اِس روایت کو بھی بدلا اور خطبۂ جمعہ میں سبِّ علی کی جگہ یہ آیت پڑھنی شروع کر دی: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ (النحل ـ ۹۰)" ؎۲

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مودودی صاحب نے دین و دیانت سے عاری ہو کر یہ گھناؤنا الزام بھی عائد کیا ہے:

؎۱ مودودی صاحب: خلافت و ملوکیت، ص ۱۲۵، ۱۲۶

؎۲ ایضاً: ص ۱۷۴

"مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب وسنّت کی رُو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصّے اُس فوج میں تقسیم ہونے چاہییں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا اُن کے لیے الگ نکال لیا جائے، پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے"۔[1]

مودودی صاحب کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک سنگین الزام اور پیش کیا جاتا ہے، جسے اُنھوں نے مختلف کمزور تاریخی روایات کے سہارے عائد کیا ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور اُن کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اُن کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرے میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دورانِ خطبہ میں اُس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اُس شخص کو گرفتار کرایا اور اُس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رُو سے یہ ایسا جُرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دِیت تو بیت المال سے ادا کر دُوں گا، مگر میرے عُمّال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ زیاد کو جب حضرت معاویہؓ نے بصرے کے ساتھ کُوفے کا بھی گورنر مقرر کیا اور وُہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفے کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہُوا تو کچھ لوگوں نے اُس پر کنکر پھینکے۔ اُس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کرا کے اُسی وقت اُن کے ہاتھ کٹوا دیے۔ کوئی مقدمہ اُن پر نہ چلایا گیا۔ کسی عدالت میں وہ پیش نہ کیے گئے۔ کوئی باقاعدہ

---

[1] مودودی صاحب: خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۴

قانونی شہادت اُن کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطعِ ید کی سزا دے ڈالی جس کے لیے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ مگر دربارِ خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔ اِس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بُسر بن ابی ارطاۃ نے کیے جسے حضرت معاویہؓ نے پہلے حجاز و یمن کو حضرت علیؓ کے قبضے سے نکالنے کے لیے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اُس شخص نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبیداللہ بن عباسؓ کے دو چھوٹے چھوٹے بچّوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اِن بچّوں کی ماں اِس صدمے سے دیوانی ہوگئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی، چیخ اُٹھی کہ "مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا، اب اِن بچّوں کو کس لیے قتل کر رہے ہو، بچّے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ اے ابن ارطاۃ! جو حکومت بچّوں اور بوڑھوں کے قتل اور بے رحمی و برادر کشی کے بغیر قائم نہ ہو سکتی ہو اُس سے بُری کوئی حکومت نہیں۔" اِس کے بعد اِسی ظالم شخص کو حضرت معاویہؓ نے ہَمدان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، جو اُس وقت حضرت علیؓ کے قبضے میں تھا۔ وہاں اُس نے دُوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلمِ عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں، اُنھیں لونڈیاں بنا لیا۔ حالانکہ شریعت میں اِس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کارروائی گویا اِس بات کا عملاً اعلان تھی کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں وہ شریعت کی کسی حد کے پابند نہیں ہیں۔"[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اور الزام بڑے معصومانہ انداز میں خیر خواہ اسلام و مسلمین بن کر عاید کیا ہے:

"سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بےحرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی، جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا،

---

[1] مودودی صاحب: خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۵ تا ۱۷۷

اِسی دَور میں مسلمانوں کے اندر شروع ہُوا"۔ [1]

اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعی دورِ حکومت کے بارے میں سرکار مودودیت مآب کا فیصلہ ملاحظہ ہو:

"حضرت معاویہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدیں توڑنے کی جو ابتداء ہُوئی تھی، اُن کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی"۔ [2]

صحابۂ کرام کے بارے میں جناب مودودی صاحب کا نظریہ دکھانے کی خاطر یہ چند عبارتیں بغیر کسی تبصرے کے پیش کر دی ہیں۔ اہلِ علم اور اہلِ دین و ایمان اُن کی ایسی دل آزار عبارتوں اور موصوف کے مخصوص نظریات سے پہلے ہی نالاں ہیں جس کے باعث ہمیں تبصرہ کرنے یا کسی تفصیل میں جانے کی چنداں حاجت نہیں۔

قرآن و حدیث پر مہربانیاں

مودودی صاحب کے اسلام اور مسلمانوں پر احساناتِ مخصوصہ کی فہرست تو بہت طویل ہے، سرِدست چند نوازشات کا تذکرہ ہی مَا قَلَّ وَکَفٰی کے تحت کیا جا رہا ہے۔ دین کا اوّلین ماخذ چونکہ قرآنِ کریم ہے اور اِس کے مفہوم و مطالب سے روشناس ہونے میں ہم اکابر کی تصریحات کے محتاج ہیں کیوں کہ صاحبِ قرآن سے صحابۂ کرام نے، اُن سے تابعینِ عظام نے، غرضیکہ اِسی طرح اگلی نسل کے اہلِ علم پچھلی نسل کے بزرگوں سے سیکھتے اور آنے والوں کو سکھاتے آئے ہیں۔ لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کے کلامِ معجز نظام میں معنوی تحریف کا دروازہ کھولنا ہو اُسے قرآن سیکھنے والوں کا رابطہ اکابر سے توڑنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ وہ اپنے مقصد میں ہرگز کامیابی حاصل نہیں کر سکتا اور ہرگز اپنی ذات کو فخرِ اکابر نہیں منوا سکتا اور نہ مرجعِ خلائق بن سکتا ہے۔ مودودی صاحب کا فہم ہمیشہ دُور کی کوڑی لاتا ہے اور زیرک اِتنے ہیں کہ زہر بھی ایسی میٹھی گولیوں کی شکل میں کھلاتے ہیں:

---

[1] مودودی صاحب: خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۷

[2] ایضاً: ص ۱۷۹

ع
کہ ہو نخچیر کے دل میں بھی پیدا ذوقِ نخچیری

اندرونی زہر سے بے خبر حضرات بیرونی چاشنی پر ایسے مست ہوتے ہیں کہ اُن کی زہریلی اور مہلک گولیاں کھانے کے لیے دیوانہ وار پھرنے لگتے ہیں۔ بزرگانِ دین جنھوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسلامی تعلیمات حاصل کیں اُن سے مسلمانوں کا رابطہ توڑنے کی مودودی صاحب یُوں تلقین فرماتے ہیں:

"قرآن اور سنّت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پُرانے ذخیروں سے نہیں، اُن کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہییں جو قرآن و سنّت کے مغز کو پا چکے ہوں"۔ [۱]

دُوسرے مقام پر اسی بات کو بیان کرتے ہُوئے یُوں اکابر سے بغاوت کی تلقین فرمائی ہے:

"جب تک مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن اور سنّت تک بلاواسطہ دسترس حاصل نہ کرے گا اسلام کی رُوح کو نہ پا سکے گا، نہ اسلام میں بصیرت حاصل کر سکے گا، وہ ہمیشہ مترجموں اور شارحوں کا محتاج رہے گا"۔ [۲]

موصوف کس طرح مسلمانوں کو قرآن سکھانا چاہتے ہیں؟ اس امر کی وضاحت میں یُوں خامہ فرسائی کی ہے:

"قرآن کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں، ایک اعلیٰ درجے کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرزِ جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو"۔ [۳]

کچھ سمجھے کہ سرکارِ مودودیت مآب کے دربار سے کیا حکم ملا؟ یہی کہ تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے، مترجموں اور شارحوں کا محتاج نہیں رہنا چاہیے، بزرگوں نے قرآن و حدیث کے مغز کو پایا ہی نہیں تھا، وُہ قرآن و حدیث کے مفہوم و مطالب کو سمجھے بغیر ہی بزرگ

---

[۱] مودودی صاحب: تنقیحات، ص ۲۰۵
[۲] ایضاً: ص ۳۳۰، ۳۳۱
[۳] ایضاً: ص ۳۴۲، ۳۴۳

بن بیٹھے تھے، قرآن کریم کو آج حقیقت میں وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کرے اور وہ ایک اعلیٰ درجے کا پروفیسر ہی ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی مسلمان مودودی صاحب کی اِس تلقین پر عمل کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائے، پچھلے تمام بزرگوں کو مودودی صاحب کی ہدایت کے مطابق ناقابلِ اعتماد گردان کر تفسیر و حدیث کے کسی پرانے ذخیرے کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ حدیث تو سرے سے اُس کے ہاتھ سے گئی کہ نیا ذخیرہ ایک بھی دنیا میں موجود نہیں، اگر کوئی ہو بھی تو مواد سارا پُرانے ذخیروں کا، لہٰذا وُہ بھی ناقابلِ اعتماد، اب صرف کلامِ الٰہی باقی رہ گیا، جو بغیر کسی ترجمے اور تفسیر کی مدد کے سمجھنا ہے، مطلب اپنے ذہن سے کشید کرنا ہے، جو بھی عرق یا جُوس کی صورت میں زید و عمرو کے دماغوں سے برآمد ہو یہ مودودی صاحب کے نزدیک قابلِ اعتماد اور جو بزرگانِ دین نے صاحبِ قرآن سے مفہوم و مطالب سیکھے وہ ناقابلِ یقین۔

کیا مودودی صاحب کی شریعتِ محمدیہ کے علمبرداروں سے بغاوت کرنے اور مسلمانوں کو بغاوت پر ڈنکے کی چوٹ اُبھارنے کا کوئی جواب ہے؟

چلیے مودودی صاحب کی تلقین کو علمی جامہ پہنانے والے کے ہاتھ میں ایک معرّیٰ قرآن کریم رہ گیا، لیکن یہ بھی تو اُن ناقابلِ اعتماد ہستیوں کی وساطت ہی سے ملا ہے، اِس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی۔ دریں حالات اِس امر کا کیا ثبوت ہوگا؟ اگر آیۂ کریمہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ..... پڑھ کر سُنائی جائے تو یہ آیت بھی تو اُسی مجموعۂ کلامِ الٰہی کی ہے جو ناقابلِ اعتماد حضرات کی معرفت ملا ہے، لہٰذا اِس سے استناد تو اُسی صورت میں ہو سکے گا جب اِس مجموعہ (قرآن کریم) کی صحت کا اُن ناقابلِ یقین ہستیوں کے علاوہ کوئی دُوسرا یقینی ثبوت فراہم کر دیا جائے، جو اس کی صحت پر آفتابِ نیمروز کی طرح دلالت کر رہا ہو۔ مودودی صاحب اگر ہماری جسارت کو معاف فرمائیں تو ہم یہ عرض کرنے میں قطعاً کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ موصوف نے جن ہستیوں پر بے اعتمادی کا اظہار فرمایا ہے وہ اُن بزرگوں کو نظر انداز کر کے قرآن و حدیث کی صحت کا کوئی ایک ثبوت قبر کی کوٹھری میں جانے تک بھی پیش نہ کر سکیں گے۔

ثانیاً: مودودی صاحب نے تفہیم القرآن کیوں لکھی؟ اس پر قوم کا لاکھوں روپیہ کیوں ضائع کیا جا رہا ہے؟ تلقین تو یہ فرمائی تھی کہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ براہِ راست قرآن و

سنّت کا علم حاصل کرے، کسی مترجم یا شارح کا محتاج نہ بنے، اپنے ترجمہ اور تفسیر کو پڑھنے سے مودودی صاحب مذکورہ تلقین کی روشنی میں منع کیوں نہیں فرماتے؟ منع نہ فرمانے سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ موصوف صرف یہ چاہتے ہیں کہ اُمّتِ محمدیہ اپنے جلیل القدر اکابر سے رابطہ ختم کرکے، یہ سمجھتے ہُوئے مودودی صاحب کے قدموں سے لگ جائے کہ اگرچودہ سو سالہ دَور میں کسی نے حقیقت میں قرآن وحدیث کے مفہوم ومطالب کو سمجھا ہے تو وُہ ہستی صرف عالیجناب مودودیت مآب کی ہے۔

ثالثاً: کیا ہم مودودی صاحب سے یہ پُوچھ سکتے ہیں کہ موصوف نے جن ذخیروں سے دُور رہنے کی مسلمانوں کو تلقین فرمائی ہے، خود زمانۂ حال کے جانباز فرقہ ساز صاحب نے اُنھیں کیوں اکٹھا کیا ہُوا ہے؟ ہر تصنیف کے اندر اُن سے استناد کس خوشی میں کیا جاتا ہے؟ یہ "من نکردم شما حذر بکنید" والا معاملہ کہاں تک لائقِ تحسین وقابلِ ستائش ہے؟

رابعاً: تفسیر وحدیث کے تمام ذخائر کو ایک طرف رکھتے ہُوئے مودودی صاحب کیا مسلمانوں کو بتا سکتے ہیں کہ کسی آیت کا حقیقی مفہوم متعین کرنے کی اُن کے پاس کسوٹی کیا ہے؟ کیا اس طرح ہر شخص آیاتِ قرآنیہ کے مفہوم ومطالب وہی نہ بتاتا پھرے گا جسے اُس کے دماغ نے درست قرار دے لیا ہے جبکہ ایسے ہی دوسرے محقق کے نزدیک وہ بالکل غلط بھی ہوسکتا ہے، اِس حالت میں یہ فیصلہ کرنا کہ دونوں میں سے کس کی بات درست ہے؟ آخر اِس کا فیصلہ کس طرح ہوگا؟ کیا اِس طرح ایسا ہر شخص ایک فرقہ نہ بن جائے گا اور یہ اُمّتِ محمدیہ میں ایک زبردست فتنے کا دروازہ تو نہیں کھولا جا رہا؟ کیا اِس صورت میں ایسے تمام محققین آپس میں دست وگریباں نہ ہوتے رہیں گے؟ کیا وُہ رات دن مسلمانوں میں سرپھٹول نہ کراتے رہیں گے؟ کاش! مودودی صاحب اپنے اِن نظریات کی مضرت کو محسوس کرکے آئندہ ملّتِ اسلامیہ کے افراد کو فتنہ باز وفتنہ ساز بننے کی دعوت نہ دیں بلکہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی تلقین فرمایا کریں، جس کا تعین اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کے ذریعے فرمایا گیا ہے۔

کہنے کو اُن سے کہہ رہا ہُوں حالِ دِل مگر
ڈر ہے کہ شانِ ناز پہ شکوہ گراں نہ ہو

ملتِ اسلامیہ جو پہلے ہی متعدد فرقوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ ہر فرقہ اہلِ حق

فرقہ سازی

سے برسرِ پیکار تھا، اِس حالت میں موصوف نے اُمتِ محمدیہ پر کرم بالائے کرم کرتے ہوئے اُمتِ محمدیہ کو جماعتِ اسلامی کے نام سے ایک تازہ فرقہ اور مرحمت فرما دیا۔ اِس فرقے کی معجون مرکب کے سارے اجزاء وہابیت ہی کے جراثیم پر مشتمل ہیں لیکن اُسے مودودی صاحب نے اپنے اَنا کے قوام میں گوندھ کر تیار کیا ہے۔ سیاسی جماعت کے طور پر یہ فرقہ منظر عام پر آیا تھا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ایک مذہبی فرقے کی شکل اختیار کر گیا۔ مودودیت زدہ حضرات کی نظر میں اپنے پیشوا عالیجناب مودودی صاحب کا اَنا اتنا بلند و بالا ہے کہ ایسے حضرات ہر بزرگ پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ صحابہ کرام کو ہدفِ تنقید بنتا ہوا خندہ پیشانی سے دیکھ سکتے ہیں، مودودی صاحب کا قلم انبیائے کرام کی عصمت اور سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کو داغدار کرتا چلا جائے تو ان کی پیشانی پر بَل یا زبان پر ایک حرفِ شکایت تک نہیں آتا بلکہ مرحبا اور زندہ باد کے نعرے بلند ہونے شروع ہو جاتے ہیں لیکن مودودی صاحب پر اگر کوئی تنقید کرے یا کسی طرح موصوف کا نام الف کے تلے آئے تو یہ حرکت مودودی صاحب اینڈ کمپنی کے لیے قطعاً ناقابلِ برداشت ہے کیونکہ مودودی صاحب کو تو انبیائے کرام جیسے مقربینِ بارگاہِ الٰہیہ پر تنقید کرنے کا پرمٹ ملا ہوا ہے، وہ اِس حرکتِ قبیحہ کا پیدائشی حق رکھتے ہیں لیکن کسی دوسرے کو بانیِ جماعتِ اسلامی کی کسی کوہ ہمالیہ سے بھی وزنی غلطی کو غلطی کہنے کا حق دینے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ یہی تو وہ افسوسناک صورت ہے جسے قرآنِ کریم میں اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ٹھہرایا گیا ہے۔ یہی ہے جماعتِ اسلامی کے سومنات کا وہ سب سے بڑا بُت جس کی پورے اہتمام سے پوجا پاٹ کا انتظام کیا ہوا ہے۔ اِس جماعت کا ہر فرد اپنے اُس چلتے پھرتے بُت کے آگے جھکنا ہی ذریعۂ نجات جانتے اور مسلمانوں کو بھی اس راستے پر گامزن ہونے کی دعوت دینے میں شبانہ روز مصروف رہتے ہیں۔

وہابیہ کے سابق دونوں فرقے (اہلحدیث و دیوبندی) یہی سلوک مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اُن کے نزدیک راہِ ہدایت اور ذریعۂ نجات یہی ہے، جس پر

گامزن ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا اور اُس صراطِ مستقیم کا تعین فرماتے ہوئے کثرت سے یوں دُعا مانگنے کے لیے ارشاد فرمایا تھا: اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ - یعنی انعام یافتہ حضرات کا راستہ صراطِ مستقیم ہے، جو انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین ہیں، لیکن وہابیہ کی دونوں اوّلین جماعتوں نے تو اِس فرمانِ الٰہی کو یوں بدلا ہوا ہے کہ صِرَاطَ الَّذِیْ کَانَ عَلَیْهِ اِسْمٰعِیْلَ الدّٰهْلَوِیْ اور جماعتِ اسلامی کے فیصلے میں اِس آیتِ کریمہ کو عملاً یہ صورت دی ہوئی ہے کہ صِرَاطَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْمَوْدُوْدِیْ - اللہ تعالیٰ جملہ مدعیانِ اسلام کو سچی ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وہابیہ کی اوّلین جماعت کی عبرتناک ناکامی کے بعد برٹش گورنمنٹ نے کتابِ وہابیت کا دُوسرا ایڈیشن دیوبندی جماعت کی صورت میں شائع کیا۔ یہ مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت کو گمراہ کرنے کی خاطر سُنّی حنفی بن کر سامنے آئے۔ بعض غیر ضروری مسائل میں عوام الناس کو اصلاحی رنگ دکھایا اور اِس طرح اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ خاطر خواہ کامیابی یُوں بھی حاصل نہ ہُوئی۔ ایک مرحلے پر انگریزی حکومت نے مولوی محمد الیاس کاندھلوی دیوبندی سے علاقہ میوات میں پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ پر تبلیغ کروائی۔ رفتہ رفتہ تبلیغی سسٹم دیوبندیت کا حصّہ بن گیا۔ اب یہ جال پُورے عالمِ اسلام میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ حضرات سروں پر بستر اٹھائے یا مسجدوں میں ڈیرے جمائے ہوئے عام مِل جاتے ہیں۔ یہ مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت کو اپنے جال میں گرفتار کرنے، اپنا ساتھی بنانے محمد رسول اللہ کی اُمّت کے زمرے سے نکال کر محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں میں شامل کرنے کی خاطر تالیفِ قلوب کے ہر ساز و سامان سے لیس ہوکر آتے ہیں۔ دراز ریش، ٹخنے ننگے، ہاتھ میں تسبیح، خاموشی کے مجسمے، زبانوں پر ذکرِ الٰہی، نگاہیں نیچی، ایک امیر کے تابع، کوئی سخت کلامی سے پیش آئے تب بھی غصّہ نزدیک نہیں آنے دیتے، عقیدہ پُوچھو تو ہرگز نہیں بتاتے، کسی اختلافی مسئلے پر بولنا اُن کے مشن سے خارج، ابتدائی مرحلہ کلمہ اور نماز کی تلقین ہے، اگلی بات مسجد میں اہلسنّت کو بلا کر اُنھیں مولوی محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی کا تبلیغی نصاب سُنانا اور اِس کے بعد اپنے جال میں پھنسنے والوں سے چلت پھرت کے لیے تین، سات، دس یا اکتالیس دن وقف کرنے کی خاطر ایڑی چوٹی کا زور لگانا اور خوشامد تک کرنا۔ اِس عیاری کے باعث دیوبندی جماعت

گمراہ گری میں اتنی کامیابی ہوئی ہے جتنی اُن کے علماء صدیوں میں بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

تبلیغی سسٹم کی کامیابی کو دیکھ کر مودودی صاحب نے سیاست کا جال بچھایا، اسلامی نعرے لگائے، مسلمان لیڈروں کی بعض غلط حرکات اور کوتاہیوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ سیاسی موضوعات کے ساتھ دینی عقائد و مسائل میں کتابیں لکھ کر اپنے جال میں پھنسنے والوں کے سامنے مقابلۃً اپنا لٹریچر رکھا، ہر بڑی سے بڑی ہستی میں کیڑے دکھا کر اپنی پاکبازی کا لوہا منوایا۔ اپنوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا کہ ہر بڑی سے بڑی ہستی کم و بیش گناہ میں ضرور ملوث ہوئی، غلطی کر گئی، لہٰذا اُس پر تنقید کرنا بھی عیب نہیں بلکہ حقیقتِ نفس الامری کا اظہار ہے۔ اپنی ذات کو ہر غلطی سے مبرّا اور تنقید سے بالاتر دکھایا، لہٰذا جماعتِ اسلامی کا کوئی فرد مودودی صاحب پر تنقید قطعًا برداشت نہیں کر سکتا۔

غرضیکہ وہابی جس رنگ میں بھی مسلمانوں کے سامنے آئے ملّتِ اسلامیہ کی بدخواہی اُن کی منزلِ مقصود رہی۔ رہنمائی کے بھیس میں رہزنی ہی کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ ہر وہابی جماعت کا مشن مسلمانوں کے ہاتھوں سے اللہ کی رسّی کو چھڑانا اور انبیائے کرام اور اولیائے عظام کا گستاخ بنا کر اُن کی متاعِ ایمانی کو لوٹنا ہے۔ ان کی غایت درجہ کوشش یہی رہی ہے کہ مسلمانوں کا رُخ حرم سے پھیر کر لندن، سومنات، نجد اور واشنگٹن کی جانب پھیر دیا جائے۔ مسلمانانِ عالم کے زوال کے اسباب میں سب سے بڑا سبب وہابیت کا ظہور رہا ہے۔ خلافت سے لے کر ہر ملک کی اسلامی حکومت تک، جسے بھی غیر مسلم طاقتوں نے تاراج کیا، اُس کی تہہ میں وہابیوں کی فتنہ سامانی اور اسلام دشمنی کار فرما ضرور رہی ہے۔ انھوں نے ہمیشہ غیر مسلموں کے دستِ بازو بن کر مسلمانوں کے مفادات پر کاری ضربیں لگائیں اور ملّتِ اسلامیہ کے لیے مارِ آستین ثابت ہوئے۔ مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کر دانے کے بعد اُن کے خرمنِ اتحاد میں آگ لگانے میں مصروف رہے اور کبھی مسلمانوں کو متحد نہیں ہونے دیا۔ خود فتنوں کا دروازہ کھولنا اور خود اُسے بند کرنے کے لیے، مجاہد و مصلح کہلانے کی خاطر مہم چلانا اِن کی تکنیک رہی ہے تاکہ بھولے بھالے مسلمان انھیں مصلح، ریفارمر اور ملّتِ اسلامیہ کے ہمدرد جان کر ان کے پیچھے لگ جائیں اور اس طرح ملّی وحدت کا جنازہ نکل جائے۔ دوسرے گمراہ فرقے جلد مٹ جایا کرتے تھے لیکن یہ وہابیت کا فتنہ غیر مسلم طاقتوں کی بدولت دو سو سال سے پھلتا پھولتا اور اپنی جڑیں وسیع کرتا ہی جا رہا ہے۔

مُخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوارج کا یہ بھی خاصہ بتایا تھا کہ یَقْتُلُوْنَ اَھْلَ الاِسْلَامِ وَیَدْعُوْنَ اَھْلَ الاَوْثَانِ۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی شر پسندی اور فتنہ انگیزی سے محفوظ و مامون رکھے۔ (آمین)